جارج سیل کے مقدمہ قرآن کا ایک تجزیاتی مطالعہ، القلم، ج ۱۳ جون ۲۰۰۹ء، علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۳۰۔ التکویر:۲۶

31. Watt, Montgomery, Muhammad Prophet and statesman, Oxford University Press, Karachi, Pakistan, 1961

32. Bernard Lewis, The Crisis of Islam, p5

33. Ibid

۳۴۔ ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، دارالتقوی للنشر والتوزیع، مدینہ منورہ، ۲۰۰۴ء، ج ۱ ص ۱۳۰

۳۵۔ التوبہ:۳۳

۳۶۔ فتح:۴۸

37. Bernard Lewis, The Crisis of Islam, p.11-12

۳۸۔ سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن، ص ۱۹

۳۹۔ اقتصادی تعاون کی تنظیم (Economic cooperation Organization) ایک بین الاقوامی تنظیم ہے جو کہ ۱۹۸۵ء میں پاکستان، ایران اور ترکی نے مل کر قائم کی تی۔ اس کا مقصد رکن ممالک کے درمیان تجارت اور سرمایہ کاری کے موقع ترتیب دے کر انہیں ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کرنا ہے۔ ۱۹۹۲ء میں افغانستان سمیت وسط ایشیا کے ۷ ممالک آذر بائیجان، قازقستان، کرغزستان، تاجکستان، ترکمانستان اور ازبکستان کو بھی تنظم کی رکنیت دی گی۔ اس طرح اس کے ممبر ممالک کی تعداد ۱۰ ہوگئی ہے۔

۴۰۔ Organization of Islamic Conference کو ستمبر ۱۹۶۹ میں مراکش کے شہر رباط میں اسلامی سمٹ کانفرنس میں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

41. Bernard Lewis, The Crisis of Islam, p5

۴۲۔ النور:۵۵

43. Bernard Lewis, The Crisis of Islam, p21

۴۴۔ آلعمران:۱۱۰ ۴۵۔ المائدہ:۴۲

۴۶۔ آلعمران:۵۷ ۴۷۔ الحجرات:۱۳

48. Bernard Lewis, The Crisis of Islam, p17

۴۹۔ شبلی نعمانی، علامہ، سیرت النبیؐ الفیصل پبلشرز، لاہور، ج ۱ ص ۱۵۱

50. Montgomery, Watt,Muhammad at Medina, Oxford University Press, Karachi, Pakistan, 2006, p.67

۵۱۔ استثناء، باب ۷، درس ۱۶

۵۲۔ ضیاء النبی، ج ۷ ص ۵۹۳

اسلام اور جدید انسان

مریم جمیلہ

مترجم: محمد علی ظفر

مریم جمیلہ (سابقہ نام: مارگریٹ مارکیوس (Margret Marcus) معروف نومسلمہ امریکی خاتون ہیں مریم جمیلہ نے اپنی متعدد تصانیف میں اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ذیل میں ان کے انگریزی مضمون بعنوان ''Islam to the call of Modern Man'' کا ترجمہ ہے جو ان کے کتاب Islam and Western Society سے لیا گیا ہے۔

مغربی فلاسفہ اور مفکرین کا تصور فلاح انسانیت:

یونانی فلاسفہ نے ڈھائی ہزار برس قبل دنیا کے سامنے یہ اعلان کیا تھا کہ نوع انسانی بغیر کسی مدد کے اپنی عقلی قوت کے ذریعے اپنی تکمیل کر سکتی ہے۔ اُنھوں نے ہمیں یقین دلایا کہ آدمی کی وقعت اس کے اعمال کی بنا پر ہے نہ کہ عقیدہ پر اور اخلاقیات کا دینیات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے دوران انسان دوست (Humanist) کے فلاسفہ یہ ثابت کرنے کے لئے پرعزم تھے کہ اگر ایک فرد کی امکانی تخلیقی قوتوں کے اظہار کو بیرونی اختیار کی پابندی سے آزاد کر کے مکمل نشوونما کا موقع دیا جائے اور اس کو زندگی کا حتمی مقصد بنالیا جائے تو غیر محدود ترقی کی جا سکتی ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد، فرانسس بیکن (Francis Bacon) نے اپنی کتاب نیو اٹلانٹس (New Atlantis) میں ہمیں یقین دلایا کہ سائنس کو ناگزیر طور پر مذہب کی جگہ لے لینی چاہیے اور سائنسی علم انسان کو فطری قوتوں پر قابو دلاتے ہوئے عنقریب زمین کو جنت ایسی سہولیات، ترقی اور خوشحالی عطا کرے گا۔ اس نے ہم سے وعدہ کیا کہ سائنس موت، بڑھاپے، بیماری، غربت اور جنگ کو ختم کر دے گی پھر تمام نوع انسانی مل کر نعمتوں میں رہے گی۔ انقلاب فرانس کی جگہ لینے والے نام نہاد دور تنویر کے دوران والٹیر (Voltaire) نے تبلیغ کی کہ اگر صرف مذہب کو انسانوں کے اذہان اور احساسات سے محو کر دیا جائے تو توہمات، تعصب، شدت پسندی اور ظلم قرون وسطی کے گزرے ہوئے عکس کے طور پر باقی رہ جائیں گے۔ مذہبی تعصب کے ظلم تلے پستی ہوئی انسانیت، تکالیف، جنگوں کی بربریت اور تشدد پھر وحشیانہ ماضی کا حصہ بن جائیں گے۔

سوا سو سال پہلے مارکس (Marx) یورپ کے منظر نامہ پر داس کیپیٹل (Das Kapital) کے ساتھ سامنے آیا جس میں اس نے معاشی انسان کا تصور پیش کیا۔ اس نے ہمیں یقین دلایا کہ اگر سرمایہ دارانہ اشرافیہ کا دیوالیہ نکال دیا جائے تو

---

*انچارج شعبہ اسلامیات، چاند باغ سکول، شیخوپورہ روڈ، مریدکے، پاکستان۔

ہر قسم کی معاشرتی ناانصافی اور استحصال کا خاتمہ ہو جائے گا اور یہ زمین ایک مزدور کے لیے جنت بن جائے گی۔ صدی کے خاتمہ پر سگمنڈ فرائیڈ (Sigmand Freud) نے ہم سے وعدہ کیا کہ صرف جنسی رویہ کے بارے میں حیا اور مزاحمت کی تمام معاشرتی رکاوٹوں کو ختم کر دینے سے اعصابی تناؤ اور ذہنی امراض سے نہ صرف بچاؤ ممکن ہے بلکہ ان کا علاج بھی کیا سکتا ہے جو کہ عالمگیر خوشی اور روح کے سکون کا باعث ہوگا۔

مادیت یا ترقی یافتہ وحشت و بربریت:

جنگ عظیم اول اور دوم نے اس مادی ترقی کی صداقت کی حد سے زیادہ تردید کی جس کا پرچار اعتماد اور طمانیت کے ساتھ ایک صدی قبل کیا گیا تھا۔ ان جنگوں کی وحشت نے تمام دنیا کو بتا دیا کہ باوجود تمام دلکش سائنسی، فنی اور طبی ترقی کے دنیا میں پہلے سے زیادہ قحط، ظلم، تشدد، استحصال، انتہاء پسندی، امراض، تکالیف، بھوک، غربت، معاشرتی ناانصافی اور ناخوشی موجود ہیں۔

اس صدی کے پہلے حصے میں جرمنی نے تہذیب اور ترقی کی انتہاء حاصل کر لی تھی۔ اسے معاشی، تعلیمی، فائن آرٹ اور سائنس کی ترقیاں بلا سبقت غیر حاصل تھیں۔ یورپ ۱۹۳۹ء ۔۱۹۴۵ء کے دوران نازی جرمنی کے قبضے کے تحت پھر بھی دہشت، خوف اور بے رحمی کے خوفناک خواب میں ڈوبا تھا۔ نازی جرمنی کی طرف سے برتی گئی سفاکی اس مغالطہ کو ختم کرنے کے لئے کافی سے زائد تھی کہ اونچا معیار زندگی، عالمی خواندگی اور ترقی یافتہ ٹیکنالوجی خود بخود آدمی کے اخلاق کو بہتر بنا دے گی۔ نازی اتحادی کیمپوں کے آفت رسیدوں کو اس خیال سے کچھ راحت پہنچی کہ اگر صرف انہی کے تجربات کو وسیع پیمانے پر مشتہر کر دیا جائے تو یہ سب دوبارہ کبھی واقع نہیں ہوگا۔ لیکن ایسا ہی ہوا۔ یہ اب بھی ہو رہا ہے۔ نہ صرف مطلق العنان حکومتوں میں بلکہ جمہوری مملکتیں بھی انھی طریقوں سے اس میں چھوٹے پیمانوں پر ملوث ہو رہی ہیں۔ اسرائیل کی طرف سے مسلسل مقبوضہ علاقوں میں عربوں اور اسرائیلی عربوں پر نازیوں جیسے مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ ویت نام میں امریکی جرائم سفاکی اور بربریت میں نازیوں کے برابر ہیں۔ اس طرح سائنسی مادیت کے زیر تسلط بنی نوع انسان نے سیاہ ترین وحشت میں ترقی کی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ ترقی یافتہ وحشی بن گئے ہیں۔ قدیم انسان کم از کم اسقدر لالچی یا بددیانت نہ تھا۔ اب دنیا میں فی الواقع ہر ملک تشدد اور بربریت کے ایک جیسے آلات استعمال کر رہا ہے اور اس بھیانک خواب کو کوئی اختتام بھی نظر نہیں آتا۔

الٰہیاتی اقدار کی بنیادوں پر عہد حاضر کے انسان کو اسلام کی دعوت:

دور حاضر کے انسان کو اسلام کی یہ دعوت ہے کہ ایک خدائے بزرگ و برتر موجود ہے اور ہر انسان انفرادی طور ہر عمل کے لیے اسے جوابدہ ہے اور خدائی قانون کی خلاف ورزی کی سنگین سزا سے روز محشر میں بچنا ممکن نہیں، جہاں ہر انسان کو اس کے اعمال کے مطابق انعام یا سزا دی جائے گی۔ قرآن کہتا ہے کہ خدا مہربان اور رحمٰن ہے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

خدا ان پر رحم نہیں کرتا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتے۔ یہ اور صرف یہ عصر حاضر کے لیے واحد نسخہ ہے۔ اس بھیانک خواب کو ختم کرنے کا یہ ہی واحد علاج ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور علاج نہیں ہے۔ نسخہ کے کارگر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دوا خالص ہو، اس میں کسی بھی قسم کی ملاوٹ اس کو ضائع کر دے گی۔ دور حاضر کے مسائل کا علاج ماورائے حواس اقدار کو اپنانے میں ہے۔

اسلام کی جدید تعبیر کا مغالطہ:

یہ تلبیس کہ ہر چیز کو ضرور بضرور بدلتے وقت کیساتھ بدل جانا چاہیے، اس نے زندگی کو معنی اور مقصد سے تہی تر کر دیا ہے کیونکہ دنیا میں کسی بھی چیز کو ثبات نہیں ہے۔ یہ ہمارے اس بے پرواہ کلچر کی وجہ سے ہے جو ہر چیز کو قابل تلف سمجھتا ہے۔ ماس میڈیا، آرٹ اور تفریحات میں وبائی طور پھیلنے والی بے لگام فحاشی اور عریانی، نسلی وقفہ، وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی شراب، نشہ کی لت اور خودکشی جو کہ موت کی بڑی وجہ ہے۔ ان سب کی ذمہ دار اقدار کی اضافیت ہے۔ اگر ہر چیز کو بدلتے ہوئے وقت کیساتھ تبدیل ہو جانا چاہیے تو انسانی عظمت اور کردار اور شرافت کو حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے چونکہ ان کی بنیاد اخلاقی ترتیب میں دوام اور ٹھہراؤ پر ہے۔ مسلمانوں کی سرزمین میں مستشرقین اور ان کے مقلدین ہم سے کہتے ہیں کہ اسلام کی رسمی ضابطہ سازی، اس کے ادارے اور ثقافت متروک ہو چکے ہیں جن کی دوبارہ تعبیر کی شدت سے ضرورت ہے تا کہ مسلمانوں کو جدید زمانے کیساتھ ہم آہنگ کیا جا سکے۔ اُنھوں نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ اسلام میں سختی نہیں ہے بلکہ یہ صرف اس کی رسمی روایتی تعبیر ہے جو کہ سخت ہے۔ اسلام جدید لباس میں کیسا لگتا ہے؟ امریکہ اور کینیڈا کی فیڈریشن آف اسلامک سوسائٹیز کی حالیہ کانفرنس میں ایک مقرر نے سامعین کو خبردار کیا کہ اسلام کی مخلوط رقص، موسیقی، تصویر اور جدید لباس کی ممانعت مسلمان خاندانوں میں پیدا ہونے والے نوجوانوں کی ایمان سے دوری کا سبب بن رہی ہے۔

کیا ایمان سے اس بُعد کا علاج یہ ہے کہ ان ممانعتوں کو ختم کر دیا جائے؟ کیا نوجوان طبقہ کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ گرجا اور صوامع کی پیروی میں اپنی مساجد کا نقشہ جدید طرز تعمیر کے مطابق تیار کریں، جوئے اور قمار کی رقم سے ان کی مالی معاونت کریں، اپنے احاطوں میں مخلوط رقص اور محفلوں کی اجازت دیں، لڑکیوں کو اجازت دیں کے وہ منی سکرٹ میں نماز ادا کریں اور جمعہ کی نماز یوم جمعہ کے بجائے اتوار کے روز ادا کریں، مختصراً شریعت کے ان تمام احکامات کو جو جدید طرز زندگی سے ٹکراتے ہیں ختم کر دیا جائے؟ ایک جدت پسند جو دہلی یونیورسٹی میں شعبہ فلسفہ کے صدر ہیں وہ اس بات پر مصر ہیں کہ مسلمانوں کو اس حقیقت کا سامنا کرنا چاہیے کہ دنیا میں لاکھوں لوگ بشمول مسلمان، مذہب پر اپنا یقین ختم کر چکے ہیں اور مذہبی احکامات کے بارے میں گستاخ اور نافرمان ہو چکے ہیں۔

اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ باکسنگ کے میچوں اور ہاکی کے کھیل کے میدانوں میں اسلام کا ٹھٹھہ اُڑایا جا رہا ہوتا ہے

اوران کے خیال میں ان تمام فضولیات سے چھٹکارا پانے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ اسلام کو بطور طرز زندگی کے ترک کر دیا جائے اور کھلے طور پر اس بات کا اعتراف کیا جائے کہ مذہب کو ریاست کیساتھ شناخت کرنا اسلامی تاریخ میں ناکام ہو چکا ہے، سیکولرازم کو زندگی کی حقیقت کے طور پر قبول کر لیا جائے اور اسلام کی تعبیر محدود دائرہ میں اس طرح کی جائے جیسے آج مغرب میں عیسائیت کو سمجھا گیا ہے۔ یہ جدید اسلام ہے! جو لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ اسلام کو جدید بنایا جائے وہ تمام دنیا کے سامنے شکست اور قنطویت کے فلسفہ کی تشہیر کرتے ہیں۔ کیا یہ اسلام کے اعادہ کا صحیح طریقہ ہے؟ کیا جدید اسلام عصر حاضر کے انسان کے لیے کوئی کشش رکھتا ہے؟ اسلام کی جدت اور لادینیت کبھی بھی لوگوں کے لیے بڑے پیمانے پر دیرپا کشش کا باعث نہیں بنی کیونکہ یہ شکست اور سمجھوتے پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کی وضع کمزوری، ناکامی اور مسلسل پسپائی پر مبنی ہوتی ہے۔ اگر اب اسلام کے عقیدہ اور قانون کی دوبارہ تعبیر کرنا لازمی ہے تو ضروری ہے کہ مستقبل میں بھی اس کی دوبارہ بار بار توضیح کی جائے کیونکہ وقت تو مسلسل بدلتا رہتا ہے اس لیے تبدیلی اور دوبارہ تاویل نہیں کی جاسکتی۔ مسلم دنیا کا تجدد تبلیغ کے پھیلاؤ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ مسلمان تمام دنیا میں اپنے ورثہ کو چھوڑ رہے ہیں اور مغربی کلچر کو اپنا رہے ہیں، کوئی دنیا کو ایک بھی حقیقی اسلامی معاشرہ اور ریاست نہیں دکھا سکتا۔ سعودی عرب کے ممکنہ استثناء کے علاوہ کوئی بھی اسلامی ریاست باقی نہیں رہ گئی ہے کیونکہ شریعت کو بطور ریاستی قانون کے ایک بعد دوسرے ملک میں ترک کیا جارہا ہے۔ اگر مغرب پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کو فوراً نہ روکا گیا تو جلد ہی مسلمان اتنے مسلمان بھی نہیں رہیں گے جتنے یورپین اور امریکن عیسائی ہیں۔ مغربی تہذیب کو اپنا کر کوئی بھی اسلام کیساتھ مخلص نہیں رہ سکتا کیونکہ مغربی تہذیب کی بنیاد ہی خدا اور اس کے ماورائے حواس قانون کی حاکمیت، اخلاقیات اور قیامت کے دن جزا وسزا کے گستاخانہ انکار پر ہے۔

مسلمانوں کی مغرب زدگی کا نتیجہ :

جدید آرٹ، سائنس، لباس، فن تعمیر، اخلاقیات اور تفریحات کل کی کل اسی مادہ پرستانہ فلسفہ کا عکس ہیں۔ ایک کلچر کا ہر پہلو اس کے نصب العین کا عکس ہوتا ہے۔ اس قانون کا کوئی استثناء نہیں ہے۔ مغربی تہذیب نے اپنی بالاتر ٹیکنالوجی، قوت اور تنظیم کی وجہ سے ہر دوسرے کلچر کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور کوئی بھی اس کی قوت کے سامنے کھڑا ہونے کے قابل نہیں رہا۔ دنیا کی مغربی تہذیب کا مقابلہ کینسر کی مہلک افزائش سے کیا جاسکتا ہے جو کہ بلاتفریق صحت مند ٹشو کو بھی غیر صحت مند ٹشو کیساتھ ہلاک کر دیتا ہے۔ اس میں بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کچھ اچھی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے نفع کو ہر ایک کو یکساں طور پر استعمال کرنا چاہیے۔ مغرب کی سائنس، ٹیکنالوجی اور طب میں ترقیات کا انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن مغرب زدگی کا مجموعی نتیجہ ہماری شناخت کا مکمل خاتمہ ہے۔ نام نہاد جدید مسلمان مرد ہو یا عورت ان کی جسمانی صورت، لباس، اخلاق، دلچسپیاں، لذتیں، رجحانات، رویہ اور چال چلن کو غیر مسلموں سے امتیاز کرنا مشکل ہے۔ اگر ایک مسلمان کو کافر سے کسی

ظاہری علامت کی بنا پر ممتاز نہ کیا جا سکے تو مسلمان نام کے طور پر اپنا مفہوم کھو بیٹھتا ہے۔ ہم عہد حاضر کے انسان کو اس بنیاد پر اسلام کے پیغام کا ابلاغ کیسے کر سکتے ہیں؟

مسلم متجدّدین اور مستشرقین کی مسلمانوں کو مغربی تہذیب کو بالکلیہ اختیار کرنے کی دعوت:

مسلم دنیا کے اولین متجدّد ایک صدی پہلے مسلمانوں کی مادی پستی اور یورپ کی چکا چوند قوت اور ٹھوس کمال فن کے مابین مقارنہ سے مایوس ہو گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمان علم جدید کو جدید تعلیم کے ذریعے قبول کر لیں تو ان کے لوگ بھی مضبوط، ترقی یافتہ اور خوشحال ہو جائیں گے۔ جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہ کی طرح کچھ لوگ مخلصانہ طور پر یقین رکھتے تھے کہ عہد حاضر کے آدمی کو تجدید اسلامی کی طرف متوجہ کرنے کا یہ مناسب راستہ تھا۔ مسلمان ملکوں کے لیڈروں نے اس نصیحت کو بغیر کسی جرح کے قبول کر لیا۔ ایک صدی سے زائد عرصہ گزر چکا ہے کہ مسلمان ممالک مغربی طرز تعلیم کو اپنا سمجھ کر اختیار کر چکے ہیں لیکن وہ پھر بھی غریب، کمزور اور پسماندہ ہی رہے۔

مسلم دنیا کی مغرب زدگی تقریباً ہر معاملہ میں فوج سے شروع ہوئی۔ اس بات کو بجا طور فرض کر لیا گیا کہ مسلمان ممالک کو اپنے دفاع کے لیے جدید ہتھیاروں کی ضرورت ہے لیکن نتیجہ کے طور پہ نہ صرف سود مند جدید ہتھیاروں کو مستعار لیا گیا بلکہ ان کے ساتھ مغربی یونیفارم، مغربی موسیقی اور مغربی عسکری مجلسی آداب کو بھی اختیار کر لیا گیا۔ عثمانی ترکی میں ڈیڑھ صدی قبل یہ اصلاحات تحریک تنظیمات کا لازمی جزو تھیں۔ زندگی کے ایک کے بعد دوسرے شعبے میں مجنونانہ مغربیت کے باوجود انیسویں صدی میں ترکی کمزور پسماندہ اور یکے بعد دیگرے جنگی شکست سے دوچار رہا یہاں تک کہ نوجوان ترکوں کے اقتدار پر قابض ہونے کے ایک دہائی بعد ہی جو کہ تجدد اور لادینیت کو اختیار کرنے کی ٹھانے ہوئے تھے، سلطنت عثمانی اور خلافت کو مصطفیٰ کمال اترک نے دنیا کے نقشے سے مٹا دیا۔ عرب تمام تر مغرب زدگی اور جدید ہتھیاروں کی دوسرے ممالک سے خریداری کے باوجود اسرائیلی سامراجی قوت کے سامنے بے بس ہیں۔

مستشرقین اور متجدّدین اس بات پر مصر ہیں کہ مسلمان اس لیے کمزور ہیں کہ انھوں نے مکمل طور مغربیت کو اختیار نہیں کیا اور اس کے لیے وہ اسی مضر خوراک کی ایک اور بھاری بھر کم مقدار تجویز کرتے ہیں۔ وہ جو تخلیق نہیں کرتے بلکہ نقل محض کرتے ہیں، وہ جو متحرک عطا کنندہ کے بجائے منفعل تاثر پذیر ہوتے ہیں وہ ناگزیر طور پر واقعات کی روش میں شکست کھاتے ہیں کیونکہ ان کی ابتدائی حالات ہی ناکام ہوتی ہے۔ اسلام کی دعوت دور حاضر کے انسان کو صرف اسی صورت میں کامیابی ہو سکتی ہے جب اسے مضبوط مقام، خود مختاری اور خود اعتمادی سے شروع کیا جائے۔ مغربیت جیسے دوسروں کے لیے پرکشش ہے ایسے ہی مسلمانوں کے لیے کیوں ہے؟ یہ اس لیے پرکشش ہے کیونکہ یہ آسان ہے؟ معاصر تہذیب کی اساس نفس پرستی پر ہے جبکہ اسلام مطالبہ کرتا ہے قربانی کا، ایثار کا، نظم وضبط کا، نفس پر قابو پانے اور برداشت کا جو کہ مشکل کام ہیں۔ نفس پرستی کا

راستہ انحطاط اور انکار کی طرف جاتا ہے جبکہ ان کی متضاد صفات جن کا مطالبہ اسلام کرتا ہے وہ بالاتر قوت، اتحاد اور نیکی کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔ اگر اسلام کی صحیح روح پر عمل کیا جائے تو یہ معاشرتی ہم آہنگی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ نفس پرستانہ مادیت معاشرتی انتشار اور بالآخر اجتماعی خودکشی کا راستہ دکھاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ماورائے حواس مطلق الہیات، اخلاقیات اور قانون کو اختیار کر لیا جائے تو یہ ہی عہد حاضر کے انسان کی بقاء کی واحد اُمید ہے۔

دور جدید کے لیے موزوں مذہب صرف اسلام ہے:

اسلام کیوں، دوسرے مذاہب کیوں نہیں؟ عصر جدید کے نوجوان ہندومت کے بہت شائق ہیں، جس کی بنیاد ذات پات کے نظام پر قائم ہے جو تمام اجنبیوں کو اپنی دائرہ کار سے الگ کر دیتا ہے یہ انسانی برادری کے لیے مکمل طور پر ناموافق ہے۔ بدھ مت کا نصب العین زہد اور رہبانیت ہے جو کہ دنیاوی مسائل کی حل میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ ہندومت کی طرح یہودیت اپنے اصولوں کی بنیاد پر نہ صرف یہودیوں کو اپنے دائرہ کار سے خارج کر دیتی ہے بلکہ ان کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ عیسائیت عہد حاضر کے انسان کی ضروریات کو کبھی بھی پورا نہیں کر سکتی کیونکہ یہ سرکاری سطح پر لادینیت اور قوم پرستی کو قبول کرتی ہے اور معاشرتی، سیاسی اور معاشی مسائل کا کوئی حل پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ماورائے حواس اخلاقیات اور قانون کو سیکولر نظام کے مقابلے میں بلاچون و چرا قبول کرنے میں کیا مفادات اور معاشرتی فوائد مضمر ہیں؟ ان میں سب سے بڑا نفع تو منصفانہ طور پر قائم کردہ اقتدار کی اطاعت ہے۔ عہد حاضر کے انسان کو شدت سے ایک اقتدار اعلی کی ضرورت ہے تا کہ وہ اچھائی اور برائی میں، حق اور باطل میں، خوبصورتی اور بدصورتی میں فرق معلوم کر سکے۔ اس کا مطلب مطلق العنان آمریت نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب اعلی ترین مفہوم میں قانون کی حکمرانی ہے۔ یہ صرف شریعت کا الہامی قانون ہے جو غیر جانبدار اور منصف مزاج ہے، جہاں حکمران اور رعایا، امیر و غریب، جوان اور بوڑھے، نامی اور عامی بلاتفریق اس کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں۔ اسلامی مملکت میں اقتدار اعلی کی حامل خدا کی شریعت ہے نہ کہ حکمران یا عوام اور حکمران کو طاقت کے استعمال کا حق صرف انتظامی امور کی حد تک ہے جب تک وہ اس (شریعت) کو قائم اور نافذ رکھتا ہے، عزت و احترام اور بے چوں چراں اطاعت کے مطالبے کا حق صرف الہامی، ماورائے حواس قانون کو ہی ہے۔

سیکولر قانون از روئے امکان ایسا مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ لوگ اس چیز کا احترام کیسے کر سکتے ہیں جس کو لوگوں کے ایک ووٹ کے ذریعے مسترد یا آنے والے کل میں بالکلیہ ختم کیا جا سکتا ہو؟ جدید دنیا میں ہر قسم کے اختیار کو للکارا گیا ہے، بچے والدین کے خلاف، طالب علم استاد کے خلاف، مزدور اپنے آجر کے خلاف اور عوام حکومت کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ اس طوائف الملوکی میں تہذیب کا پنپنا مشکل ہے۔ شریعت کی حاکمیت کا منبع خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے۔ پس

معاً اس کا خوف، توقیر، محبت اور اطاعت کی جاتی ہے۔ اس میں اللہ کا باطنی خوف اور قیامت میں سنگین عادلانہ انتقام کا احساس شامل ہے جو اس قانون کی خلاف ورزی پر ہوگا جس پر فرد اور معاشرے کی صحت کا دارومدار ہے۔ ثانوی طور پر دور جدید کے انسان کے لیے اسلام کی دعوت اندرونی سکون اور استحکام کی دعوت ہے۔ ایک معاشرہ جس کی بنیاد الہامی قانون کے خوف اور احترام کے دستور پر ہو وہ جرائم، تشدد اور لاقانونیت سے مضطرب نہیں ہوگا۔ ایک معاشرہ جس کی بنیاد نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان پر ہو کہ اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا اور چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا، ایسے معاشرے کو نسلی وقفہ کی وجہ سے کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔ ایک خاندان جو ضعف کا شکار ہو گیا ہو وہ اسلامی قانون اور معاشرتی نظام کے تحت اپنی صحت اور طاقت دوبارہ حاصل کر لے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تمام نشہ آور اشیاء حرام ہیں، اس فرمان کی اطاعت سے شراب خوری اور منشیات کی لت کو ختم کی جا سکتا ہے۔ اسلام میں شریعت واقعی، مستحکم اور دائمی اختیار رکھتی ہے جس کا کام استحکام اور امن عطا کرنا ہے۔ اس لیے لوگوں کی توانائیاں جمہوری اظہار رائے کے ذریعے یہ طے کرنے میں ضائع نہیں ہوتیں کہ الکحلی مشروبات اور نشہ آور ادویات کو قانونی قرار دیا جائے یا نہیں، ایک عورت جو حاملہ نہیں ہونا چاہتی اس کے لیے اسقاط حمل کو جائز قرار دیا جائے یا نہیں، زنا اور قبل از شادی خفیہ جنسی اخلاط کو جائز قرار دیا جائے یا ناجائز یا پبلک سکولوں میں مذہب کو اخلاقیات سے علیحدہ کر دیا جائے یا نہ کیا جائے، ایک اسلامی سلطنت کو ایسی مشکلات درپیش نہیں ہوں گی جیسے ایک یہودی طالب علم کو ایسا کھانا دیا جا رہا ہو جو کہ شر (ایسا کھانا جو یہودی قانون کے مطابق حلال ہو) نہ ہو یا مسلمان لڑکی کو بطور یونیفارم منی سکرٹ پہننے اور ننگے سر رہنے پر مجبور کیا جائے۔

ملت کے نظام کے تحت ہر محفوظ اقلیت، اکثریت، مذہبی اور لسانی گروہ کو اصولی طور پر اجازت ہے کہ وہ اپنے مذہب اور ثقافت کو اپنے مسلک کے مطابق اپنی خودمختار آبادی میں جو ہر ایک کو مطمئن کر سکے جاری رکھ سکتے ہیں۔

اسلامی کلچر کے اثرات:

اسلام انفرادی طور پر زندگی کو وہ سمت، معنی اور مقصد عطا کرتا ہے جو مادی تہذیبیں عطا کرنے سے قاصر ہیں، مزید برآں اسلام بیرونی یاسیت اور آفت کے درمیان بھی باطنی متانت اور سکون عطا کرتا ہے جو موت کا سبب بننے والی دماغی اور اعصابی امراض اور خودکشی کی شرح کو بہت حد تک کم کر دیتا ہے۔ ایک اسلامی کلچر اس تمام بدصورتی، فحاشی اور عریانی کا خاتمہ کر دیتا ہے جو ہمیں فن تعمیر، روزمرہ کی اشیائے ضرورت، آرٹ، ادب اور تفریحات کے میدان میں گھیرے ہوئے ہے۔ مادہ پرستی ایک بدنما بیماری ہے جو مادہ پرستوں کے جمالیاتی ذوق اور رجحانات میں خود کو ظاہر کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہر چیز کو خوبصورتی سے سرانجام دیں۔ ہمارے موجودہ ماحول کی بدصورتی کی جگہ خوبصورتی لے لی گی، اس طرح یہ فرد کی خوشی اور ذہنی صحت میں ایک بڑا کردار ادا کرے گی۔

کیا تہذیب کا احیاء ممکن ہے؟:

جدید تاریخ دان ہمیں بار بار بتا چکے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرا نہیں سکتی، ہم ارتقاء کے رجحان کو واپس نہیں موڑ سکتے اور نہ ہی پہلے دور میں واپس جا سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح ایک مرتے ہوئے شخص کو زندگی کی طرف نہیں موڑا جا سکتا، اسی طرح ایک مردہ یا دم توڑتی ہوئی تہذیب کو بھی دوبارہ زندہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ انسانی تہذیب ایک حیاتیاتی صورت کے بجائے ایک نظریاتی صورت رکھتی ہے۔ ایک تہذیب کو دوبارہ انہی اقدار پر زندہ کرنا ممکن ہے جن پر وہ قائم تھی اگر ان اقدار کو ایک بڑے گروہ کی حمایت حاصل ہو جائے جس کی رہنمائی ایک بااثر قابل قیادت کرے۔ بدقسمتی سے یہ امید تبلیغ کے ان کارکنوں کی مشکلات اور رکاوٹوں کو کم نہیں کرتی جو عہد جدید کے انسان کو اسلام کی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں۔ یورپین اور امریکیوں کو اس عقیدہ کی طرف کیسے متوجہ کیا جا سکتا ہے جس کو مسلمان ملکوں کی سرزمین میں ایک بڑی تعداد مغربی تہذیب کی خاطر ترک کر رہی ہو؟ جب مسلمان روزانہ اسلامی اقدار کی تحقیر کرتے ہوں تو غیر مسلم ان کو کیسے وقعت کی نگاہ سے دیکھ سکتے ہیں؟ اس صدی کے مسلمانوں کی اٹھان اور تعلیم مغربی تہذیبی تسلط کے غیر اسلامی ماحول کے تحت ہوئی ہے جس میں سیاسی، معاشی نظام کو مغرب کی طرف سے مسلمانوں پر عائد کیا گیا تھا۔ آج زیادہ تر پڑھے لکھے اور بااثر مسلمانوں کی تربیت یا تو مغرب میں ہوئی ہے یا ان مغربی طرز کے تعلیمی اداروں میں جو ان کے اپنے ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس طرح مغربی نمونے کی تقلید فطری طور پر ناگزیر نظر آتی ہے۔ مغربی ثقافتی زندگی ان کے روزانہ کے تجربات کا ایک لازمی جزء ہے کیونکہ وہ اس کو ہر طرف غالب اور فعال دیکھتے ہیں۔

عہد حاضر کے انسان کو اسلام کی دعوت کن بنیادوں پر ہونی چاہیے؟:

دوسری طرف اسلامی نظام (خاص طور پر سیاسی اور معاشی حوالے سے) آج کہیں بھی حقیقی وجود نہیں رکھتا اور نہ ہی یہ ماضی بعید کے بعد سے پوری طرح فعال ہوا ہے۔ اسلام کا معیاری سیاسی، معاشرتی نظام درحقیقت کافی عرصہ سے غیر فعال ہے، اس لیے جو ذہن جدید مغربی تہذیب اور فلسفوں میں مستغرق ہیں، ان کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ آج کے معاشی و معاشرتی اور سیاسی مسائل کو ان (اسلامی) خطوط پر کیسے حل کیا جا سکتا ہے۔ تبلیغی کارکنوں کو اس کے باوجود پھر بھی (اسلامی) معیار ہی کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

مثالی سیاسی اور معاشی تصور کو رٹنے کے بجائے جو کہ آج صرف کتابوں میں پایا جاتا ہے اور طبعاً اسلامی نظام کو غیر مسلموں کے سامنے غیر حقیقی اور بعید دکھاتا ہے کیونکہ اس کے نفاذ کا مستقبل قریب میں کوئی امکان نظر نہیں آتا، اسلام کو غیر مسلموں کے سامنے اس کے تاریخی ریکارڈ کی مضبوطی کی بنا پر ایک ٹھوس، واقعی حقیقت کے طور پر پیش کرنا چاہیے جو مغربی

استعمار کے غلبے سے پہلے مسلمانوں کی ثقافتی زندگی کا حصہ تھا۔ ہم مسلمانوں کو اسلامی نصب العین کی صحت کی فضیلت کو عیسائیت اور مغربی سیکولرازم پر اس بنا بیان کرنا چاہیے کہ اس نصب العین پر کتنے موثر انداز میں ہماری گزشتہ تاریخ میں عمل کیا گیا، جس کے لیے بہترین مثالیں جتنی ہوسکیں زمانہ حال سے بیان کرنی چاہیں۔

عصر حاضر کا انسان روحانی اقدار کا محتاج ہے:

مستشرقین اکثر اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ آج روایتی اسلامی تہذیبی اقدار اور نصب العین مسلمانوں کے لیے بھی کوئی مطابقت نہیں رکھتے کیونکہ تمام غیر یورپی ممالک کی طرح یہ سائنسی دور سے پہلے کی قدیم روایت کا ثمرہ تھا۔ وہ دعوی کرتے ہیں کہ تبدیلی اور مسلسل تغیر پذیر ٹیکنالوجی کے لیے صرف لادینیت ہی جدیدیت کے مناسب ہے۔ ایک سچا مسلمان ایک روایتی آدمی ہوتا ہے اس لیے وہ عہد جدید کے انسان کی روزمرہ زندگی میں حصہ ڈالنے کی کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اگرچہ جدید ٹیکنالوجی نے شدید ماحولیاتی تبدیلی پیدا کردی ہے مگر اس کے باوجود انسان کی بنیادی ضروریات اور خواہشات آج بھی جوں کی توں ہیں۔ اس لیے عصر جدید کا انسان بھی روحانی غذا جو زندگی کو اس کا مفہوم، سمت اور مقصد عطا کرتی ہے کے لیے اتنا ہی پیاسا ہے جتنا اس کے آباؤ اجداد تھے اگرچہ وہ شعوری طور پر اس سے بے خبر ہے۔ جو لوگ عہد جدید کے انسان کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں ان کا یہ مقصد ہے کہ وہ اسے ان فوری ضروریات کی شدت سے آگاہ کریں جو نہ صرف ایک فرد سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ ان کا تعلق پورے انسانی معاشرے کیساتھ ہے۔ بدقسمتی سے اسلام کی جدید قدردانی کی راستے میں ایک اور بڑی رکاوٹ باقی ہے۔ اسلامی تہذیب، جدیدیت سے نہ صرف ٹیکنالوجی کے شعور میں بعید ہے بلکہ یہ جدید ذہن سے بھی اپنے اخلاقی معیار کی وجہ سے بعید تر ہے جسے ایک سیکولر آدمی نظر استحسان سے نہیں دیکھ سکتا اور نہ ہی یہ اس کے لیے پسندیدہ ہے۔ اسلام کے روحانی معیار کو صرف اہل تقوی ہی سمجھ سکتے ہیں جو آخرت میں خدا کی رحمت اور نجات کے اُمیدوار ہیں۔

حضرت ربیعہ بن ہیثمؒ ایک غلام تھے۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد وہ بصرہ میں سکونت پذیر ہو کر علم کی تحصیل میں مشغول ہو گئے اور امتداد زمانہ کیساتھ وہ بصرہ کے مسلمانوں کے امام اور پیشوا بن گئے۔ ان کو ہر کام میں صرف اللہ کی رضا مقصود ہوتی تھی۔ ایک دن انھوں نے اپنی بیوی سے خاص کھانا بنانے کی فرمائش کی چونکہ وہ اپنی خاطر فرمائش کرنے کے عادی نہیں تھے اس لیے ان کی بیوی نے خصوصی توجہ کیساتھ کھانا تیار کیا جب کھانا تیار ہو گیا تو حضرت ربیعہؒ اسے اپنے ہمسائے کے پاس لے گئے جو کہ مجنون تھا اور اپنے حواس میں نہیں تھا اور اسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا۔ اس بیمار شخص کے منہ سے بڑی